عدلِ الٰہی

خطاب

مولانا محمدؐ شفاء

شعبۂ نشرواشاعت: جعفریہ کونسل اسلام آباد

عدلِ الٰہی

خطاب

مولانا محمّد شفاء

شعبۂ نشرواشاعت: جعفریہ کونسل اسلام آباد

نام رسالہ : **عدلِ الٰہی**

ازافاداتِ عالیہ : **مولانا محمد شفاؑ صاحب مدظلہ**

تعداد : **ایک ہزار**

اشاعتِ اوّل : **۱۹ر فروری ۱۹۸۹ء**

قیمت : **دو ۲ روپیہ**

ملنے کا پتہ : شعبۂ نشرواشاعت
جعفریہ کونسل،
جامعۃ اہلبیت، ایف ۷/۴،
ناظم الدین روڈ،
اسلام آباد۔

قارئینِ کرام!

زیرِ نظر رسالہ "عدلِ الٰہی" کے عنوان پر جناب مولانا محمد شفا صاحب مدرس جامعۃ اہلبیت اسلام آباد کا خطاب ہے جو کہ انہوں نے مؤرخہ ۶ر فروری ۱۹۸۹ء بوقت چار بجے جامعۃ اہلبیت میں جعفریہ کونسل اسلام آباد کے زیرِ اہتمام ہفت روزہ درس "خود آگاہی و کردار سازی" کے سلسلہ کے دوسرے درس سے خطاب فرمایا ہے۔

جعفریہ کونسل اسلام آباد نے جہاں ہر درس کو آڈیو کیسٹ میں محفوظ کرنے کا انتظام کیا ہے وہاں افادۂ عام کے لئے اِس کو تحریری صورت میں بغیر قطع و برید کے شائع کرنے کا بھی انتظام کیا ہے۔

یہ ہماری اِس سلسلہ کی پہلی کوشش ہے۔ اِس میں ہم کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اس پر رائے دینا آپ کا کام ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اِس سلسلہ کو مزید بہتر بنانے کے لئے اپنی بہترین آراء سے نوازیں گے۔

شکریہ

ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

الحمد للہ و صلوٰۃ و سلام علیٰ رسول اللہ و علیٰ آلِ رسول اللہ

امابعد :

مجھے پتہ چلا تھا کہ پچھلے درس میں آیت اللہ محسنی مدظلہ العالی نے مختلف مناسبتوں سے فرقۂ جعفریہ اور فرقۂ حسینیہ کو موضوعِ بحث قرار دیا تھا تو میں نے سوچا کہ آج یہاں درس کی مناسبت سے اسی مکتب کے کسی دوسرے نام کے موضوع کو زیرِ بحث قرار دیا جائے۔ وہ یہ ہے کہ جس طرح ہمیں فرقۂ جعفریہ کہا جاتا ہے، فرقۂ حسینیہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارا تیسرا نام ہے فرقۂ عدلیہ۔ ہمیں فرقۂ عدلیہ کیوں کہا جاتا ہے ؟

ہمیں اس نام سے اس لئے یاد کیا جاتا ہے کہ ہم اصولِ دین میں جہاں توحید، نبوت، امامت اور قیامت کو اصولِ دین سمجھتے ہیں وہاں ہم عدل کو بھی اصولِ دین سمجھتے ہیں بخلاف دوسرے مکاتبِ فکر کے کہ وہ توحید، نبوت اور معاد کو اصولِ دین تصور کرتے ہیں اور عدل کو اصولِ دین سمجھنے سے انکار کرتے ہیں۔ اب قبل اس کے کہ ہم عدل کے بارے میں کچھ عرض کریں کہ ہم عدلِ الٰہی کے کیوں قائل ہیں اور دوسرے مکاتبِ فکر عدلِ الٰہی کے کیوں منکر ہیں ؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث یا اس اختلافی مسئلہ کے پسِ منظر سے کچھ بحث کی جائے کہ ہم جو خدا کو عادل سمجھتے ہیں اس کا کیا پسِ منظر ہے اور دوسرے مکاتبِ فکر خدا کی عدالت کو ضروری نہیں سمجھتے تو اُس کا کیا پسِ منظر ہے ؟

اس کا پس منظر علمائے مکرّم نے کچھ یوں بیان فرمایا ہے کہ افعال جو انسان سے صادر ہوتے ہیں وہ بعض حسن یعنی اچھے ہیں اور بعض قبیح یعنی بُرے ہیں۔ انسان سے صادر ہونے والے افعال کے بارے میں ہمارا یہ نقطۂ نظر ہے کہ کوئی بھی کام ہو قطع نظر اس کے کہ کسی شریعت میں اس کو بجالانے کا یا اُس کو ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا نہیں یعنی شریعت اُس کو بجالانے کا حکم دے یا نہ دے قطع نظر اس کے ہر فعل اور ہر عمل کے اندر ایک حُسنِ ذاتی اور قُبحِ ذاتی موجود ہوتا ہے۔ کوئی بھی فعل جس کو ہم انجام دیتے ہیں اس لئے وہ اچھا نہیں ہوا، اس لئے وہ حُسن نہیں ہوا کہ خدا نے اُس کو انجام دینے کا حکم دیا ہے۔ یا اگر ایک کام کو آپ قبیح سمجھتے ہیں، بُرا سمجھتے ہیں تو وہ اس لئے قبیح نہیں ہوا کہ خدا اور رسولؐ نے اس کو بُرا کہا ہے اور شریعتِ مقدسہ نے اُسے بُرا کہا ہے بلکہ قطعِ نظر حکمِ خدا، حکمِ رسولؐ کے بعض افعال ذاتی طور پر حسن ہیں اور بعض افعال ذاتی طور پر قبیح ہیں۔ اس بحث کو کہا جاتا ہے حُسن ذاتی اور قبح ذاتی۔ یعنی ہم افعال کے حُسنِ ذاتی اور افعال کے قبح ذاتی کے قائل ہیں بخلاف دوسرے مکاتبِ فکر کے۔ دوسرے مکاتبِ فکر کے بھی دو فرقے ہیں۔ ایک فرقہ کو اشاعرہ کہا جاتا ہے اور دوسرے کا نام فرقۂ معتزلہ ہے۔ جہاں تک فرقۂ معتزلہ کا تعلق ہے وہ اس سلسلے میں ہمارے ہمراہی ہیں وہ حُسن و قبح ذاتی کے بھی قائل ہیں اور عدلِ الٰہی کے بھی قائل ہیں۔ اشاعرہ مسلک کے اشیاء کے حُسن و قبح ذاتی کے منکر ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ "اَلْحَسَنُ مَا حَسَّنَہُ اللّٰہُ وَالْقَبِیْحُ مَا قَبَّحَہُ اللّٰہُ" جسے خدا اچھا قرار دے تو وہ اچھا ہو جاتا ہے اور جسے خدا بُرا قرار دے وہ بُرا ہو جاتا ہے۔ بغیر حکم اسلام کے کسی بھی چیز میں کوئی ذاتی حُسن نہیں پایا جاتا اور نہ کسی چیز میں ذاتی طور پر کوئی قباحت پائی جاتی ہے۔

اس اصول کے پیش نظر وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر پہلے سے طے شدہ اشیاء میں کوئی حُسنِ ذاتی اور قبح ذاتی ہوتا تو آپ کہتے کہ جو کام اچھا ہوتا ہے جس میں ذاتی طور پر مصلحت ہوتی ہے اُس کو خدا انجام دیتا ہے اور اس کو انجام دینے کا حکم دیتا ہے اور جس فعل میں ذاتی طور پر قباحت ہوتی ہے اُسکو وہ خود بھی انجام نہیں دیتا اور اپنے بندوں کو بھی اُس کے انجام دینے سے روکتا ہے۔ جب افعال

میں حُسن و قُبح ذاتی نہیں ہے تو پھر خدا جو کام کرے وہ حُسن ہو جاتا ہے اور جو کام وہ ترک کر دے، انجام نہ دے وہ قبیح ہو جاتا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں ایک کام حُسن اس لئے ہو جاتا ہے کہ خدا نے اُس کو انجام دیا ہے اس لئے نہیں کہ وہ اچھا تھا بلکہ اس لئے کہ خدا نے اس کو انجام دیا ہے یا اگر ایک عمل قبیح ہے تو اس لئے قبیح نہیں کہ اُس میں ذاتی قباحت تھی۔ چونکہ خُدا نے اُس کو ترک کیا ہے۔ خدا نے اُسے قبیح گردانا ہے اِس لئے وہ قبیح ہے۔

بنا بریں عدالت الٰہی کے اس معنیٰ میں وہ قائل نہیں کہ کسی بھی چیز میں حُسنِ ذاتی یا قُبحِ ذاتی ہوتا تو آپ کہتے کہ ذاتی طور پر اچھا ہے یا جو کام ذاتی طور پر بُرا ہے اُسے خدا انجام نہیں دیتا۔ جس میں مصلحت ہے اُس کو انجام دیتا ہے اور جس میں مفسدہ ہے اُس کو خدا انجام نہیں دیتا۔ لیکن ہم افعال کے حُسن، قُبح ذاتی کے منکر ہیں ہم اُس کو اچھا سمجھتے ہیں جسے خدا انجام دے اور بُرا اُس کو سمجھتے ہیں جس کو خدا ترک کر دے۔ چنانچہ ہمارے علماء نے اس کا رد اس مثال سے فرمایا ہے کہ العیاذ باللہ اگر خداوند عالم کسی نیک ترین انسان کو جہنم میں ڈال دے اور اُس کے مقابلے میں ابوجہل اور ابولہب جیسے اسلام کے سرکردہ دشمنوں کو جنت میں جگہ دے دے تو یہ عین عدل ہے، عین مصلحت ہے۔ چونکہ جو کام وہ انجام دیتا ہے وہ اچھا ہوتا ہے۔ ایسا نہیں کہ جو اچھا کام ہوتا ہے اُس کو وہ انجام دیتا ہے۔

بنا بریں ہمارے نظریہ میں عدل الٰہی کا جو پس منظر ہے وہ اشیاء میں موجود حُسن، قُبح کا موجود ہونا ہے۔ اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اِس کائنات میں بہت سے افعال ایسے بھی ہیں کہ قطع نظر اس کے کہ ہمیں اُن احکام کا شریعت مقدس پابند بنا دے۔ بعض کام اچھے ہیں بعض بُرے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک غریب آدمی جس کو آپ نے صبح سے لے کر شام تک جس کی آپ نے ڈیوٹی لگائی ہے کہ وہ آپ کے گھر کی تعمیر کا کام انجام دے۔ آپ کے باغیچے کو بنائے، اُسے سنوارے۔ صبح سے لے کر شام تک اُس سے کام لینے کے بعد اگر آپ اُس کو بجائے اِس کے کہ اُس کی مزدوری دیں۔ (حدیث کے مطابق اُس کے پسینے کو خشک ہونے سے پہلے مزدوری دیں) اور اس کے عوض میں ایک طمانچہ بھی رسید کر کے اُس کو واپس کر دیں تو اِس دنیا کا کون سا باشعور اور عقل مند انسان

اچھا سمجھے گا؟ چاہے خدا و رسولؐ اور اسلام کی طرف سے اس قسم کے اعمال سے روکا گیا ہو یا نہ روکا گیا ہو۔ بولئے! ہر شخص کی خداداد عقل یہ سمجھتی ہے کہ یہ قبیح کام ہے اور غلط کام ہے لیکن اگر اس کو صبح سے شام تک کی محنت کی مزدوری دے دی جائے اور اس کو راضی کرکے بھیجا جائے تو ہر شخص اس کو ایک حسن کی نگاہ سے دیکھے گا اور اس کام کی تحسین کرے گا اور اس انسان کی ستائش کرے گا۔ تو اگر آپ افعال کے حسن و قبح ذاتی کے قائل ہیں تو پھر یہ ماننا پڑتا ہے کہ خداوند قدوس ہر اس کام کو انجام دیتا ہے اور اس کے انجام دینے کا حکم دیتا ہے جس میں مصلحت ہو اور ہر اس کام کو ترک کرتا ہے اور ترک کرنے کا حکم بھی دیتا ہے جس میں مفسدہ ہو۔

اس کے علاوہ دیکھا جائے کہ ظلم آخر انسان سے کیونکر سرزد ہوتا ہے؟ یا دوسرے الفاظ میں کبھی کسی بھی مقصد اور ہدف تک پہنچنے کے لئے ایک غیر طبعی راستے کا انتخاب انسان کیوں کرتا ہے؟ اس کی دو وجہ ہو سکتی ہیں۔ تیسری وجہ نہیں ہو سکتی۔ یا انسان اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے غیر طبعی اور غیر معقول راستے کا انتخاب اس لئے کرتا ہے کہ اس کو طبعی راستے کا علم نہیں ہے یعنی جہالت باعث و بنیاد بنتی ہے کہ انسان کا مقصد تک پہنچنے کے لئے جو طبعی راستہ ہے اس کو ترک کر دے۔ یہ ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ اور دوسری وجہ کسی مقصد تک پہنچنے کے طبعی راستہ کو ترک کرنے کی یہ ہے کہ انسان اس راستے کو اپنانے سے عاجز ہے۔

جیسا کہ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کی بڑی طاقتیں مسلمانوں پر بالخصوص تمام ممالک پر مسلط ہونے کی ہوس میں اور اس راہ میں ہر قسم کے ظلم کرنے سے گریز نہیں کرتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں ہے بے گناہ انسانوں کو مارے بغیر وہ پوری صفو ہستی پر چھا جائیں۔ اس لئے مجبور ہیں کہ وہ اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے بے گناہ انسانوں کا خون بہائیں اور اس طرح کوشش کرتے ہیں کہ اس پورے کرۂ ارض پر مسلط ہوں۔ ایک دیگر مثال کے ذریعے بات عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ ایک چھوٹے سے ادارے میں ملازم ہیں اور ایک طبعی راستے سے اپنی ترقی کے مقصد تک نہیں پہنچ سکتے اس لئے غیر طبعی راستے کا انتخاب کرتے ہیں اس میں کا

دو وجہ ہیں یا یہ کہ طبعی راستہ آپ کو معلوم نہیں یا طبعی راستے سے مقصد حاصل کرنے میں عاجز ہیں اسی وجہ سے کسی غیر طبعی راستے کو اختیار کرتے ہیں جس سے بعض انسانوں کے حقوق پائمال ہوتے ہیں

خداوند تعالیٰ جو اس کائنات کی ہر شئے کا مالک ہے اور بھیدی ہے، اس کائنات میں بہت ساری چیزوں کا ہم اپنے آپ کو مالک سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت خدا نے ہمیں ان چیزوں میں تصرف کی اجازت دی ہے۔ مالک حقیقی خدا ہے جب ہر قسم کا تصرف خدا کے اختیار میں ہے تو وہ کسی بھی مقصد تک پہنچنے کے لئے کیونکر ایک غیر طبعی اور غیر معقول راستہ کا انتخاب کرے گا۔ نہ تو خدا کے بارے میں یہ تصور ممکن ہے کہ خدا طبعی راستے کو جانتا نہیں اس لئے کہ آپ نے صفات سلبیہ میں پڑھا ہے کہ جہل خدا میں نہیں پایا جاتا وہ عالم ہے۔ اسی طرح عجز۔ کسی بھی کام سے عاجز آنا یہ بھی خدا کی جملہ صفات سلبیہ میں سے ہے۔ یہ صفات خدا میں نہیں پائی جاتیں۔ جہل خدا میں نہیں پایا جاتا، عجز خدا میں نہیں پایا جاتا۔ کسی مقصد تک پہنچنے کے لئے غیر طبعی راستے کا انتخاب اس کی بنیاد یا جہالت ہوا کرتی ہے یا عجز ہوا کرتا ہے۔ خدا چونکہ ان دونوں چیزوں سے منزہ اور پاک ہے لہٰذا اس کو ضرورت نہیں کہ ایک مقصد تک پہنچنے کے لئے غیر طبعی راستے کا انتخاب فرمائے۔ لہٰذا ان عقلی اور نقلی بنیادوں کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ خدا غیر طبعی راستوں کے انتخاب سے پاک ہے۔

یہاں سوال ہوتا ہے اتفاقی حادثات کا جیسے زلزلہ، طوفان و سیلاب جن کے نتیجے میں بے شمار بیگناہ انسان و حیوان لقمۂ اجل بن جاتے ہیں اور آپ یہ کہتے ہیں کہ کبھی کائنات کا ایک پتا بھی علم الٰہی کے بغیر یا قدرت الٰہی یا منشائے الٰہی کے بغیر نہیں ہل سکتا۔ اتفاق کے آپ قائل نہیں ہیں کہ جو کام بھی اس دنیا میں رونما ہوتا ہے یا جو حادثہ بھی ظاہر ہوتا ہے وہ قدرتِ الٰہی کے تحت ہوتا ہے اور حکم الٰہی سے ہوتا ہے۔ تو کیا یہ جو زلزلے آتے ہیں یا آسمانی بجلی گرتی ہے یا طوفان آتے ہیں جس کے نتیجے میں ہزاروں، کروڑوں انسانوں کی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ کیا یہ عدلِ الٰہی کے منافی نہیں؟ بہت سارے سوال اٹھتے ہیں اُن میں سے ایک سوال یہ ہے۔ تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ ایک انسان جو اس کائنات کی چھوٹے سے وجود کی صورت میں ظاہر ہے۔ اس کو پوری کائنات

سے نسبت وہی حاصل ہے جو ایک مکان کو اُس کی ایک کھڑکی یا ایک دروازہ یا اُس کے کسی ایک کیل یا روشندان کی ہے۔ اس لئے کہ انسان اس کائنات کو اپنے فکر کے دائرے میں سوچتا ہے لیکن اِس کائنات کے نظم اور اس کے چلانے کے سلسلے میں صرف ایک انسانی پہلو سے یا انسانی نقطۂ نظر سے خالق اس کائنات کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ پوری کائنات کو تنظیم کرنے کی غرض سے دیکھتا ہے۔ باایں معنیٰ کہ وہ پورے صفحۂ ہستی کہ جس میں ستارے ہیں، سورج ہے چاند ہے، جس میں زمین ہے، جس میں زیرِ زمین موجود ہر قسم کے مواد ہیں۔ اُن سب کو خدا نے ایک خاص قسم کی ہدایت دی ہوئی ہے۔ جس کو ہدایت تکوینی کہتے ہیں۔ اور یہ چیزیں اپنے اُس طبعی راستے میں جبری طور پر اپنے اپنے مقصد کے لئے رواں دواں ہیں۔ جس طرح خود اِنسان بھی اپنے بعض افعال میں مجبور ہے۔ یہ جو اہلسنت والجماعت کے ایک فرقہ کے ساتھ آپ کا اختلاف ہے کہ اِنسان افعال میں مجبور ہے یا کہ خدا نے اُس کو اختیار دیا ہے۔ یہ اُس کے بعض افعال میں اختیاری افعال ہیں کہ اس کو مارنا چاہیئے یا نہیں مارنا چاہیئے، فلاں سے رقم چھینی جائے یا نہ چھینی جائے، نماز پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے، روزہ رکھا جائے یا نہ رکھا جائے۔ اِن باتوں میں اختلاف ہے کہ آیا خُدا نے انسان کو اختیار دیا ہوا ہے یا ایک ہی فلاں کام کے انجام دینے پر یا فلاں کام کے ترک کرنے پر مجبور رہے؛ لیکن کچھ کام ایسے انسان کے اندر موجود ہیں جس میں انسان مجبورِ محض ہے۔ جیسا کہ انسان کی اپنی ولادت اِنسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ انسان کے نظامِ ہضم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ انسان کو اپنے رنگ و نقش میں کوئی اختیار نہیں ہے جس کو جس قسم کا رنگ خدا دے دے جس قسم کا قد خدا دے دے وغیرہ۔ غرض کچھ کام اِنسان کے ایسے ہیں کہ جن میں انسان مجبورِ محض ہے اور وہ اپنے ایک طبعی راستے کو خواہ مخواہ طے کرتا ہے۔

اِسی طرح کائنات کی ہر چیز کا جمادات سے لے کر نباتات اور کہکشاں تک ان کا اپنا ایک طبعی مقصد ہے۔ ایک طبعی روٹ ہے۔ اِن کو ہر حالت میں چلنا ہے اور طبعی طور پر اور

جبری طور پر اپنے راستے اور اپنے اس روٹ میں ایک کچھ حوادث پیش آتے ہیں جس سے کوئی راہِ فرار نہیں اور اُن حوادث سے دوچار ہونا اس شئی کے اپنے تکامل کے لئے ناگزیر ہوتا ہے۔ کمال تک پہنچنے کے لئے فلاں حادثے سے دوچار ہونا ضروری ہو تو کیا اُس کی وجہ سے اِسی کائنات کے ایک جُز انسان کو بھی کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے یا نہیں پہنچ سکتا؟ اس لئے کہ خدا انسانی فکر کے زاویے سے نظام عالم کو نہیں چلاتا بلکہ کُل نظام عالم کی رُو سے پورے نظام عالم کو چلاتا ہے۔ علاوہ بریں اگر ایک علاقہ میں زلزلہ آتا ہے اور اس کے نتیجے میں کئی لوگوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں اور اُس کو آپ ظلم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو یہ ایسا ہے کہ جیسے ایک باغبان کسی باغ میں موجود پودے کی تر و تازہ شاخوں کو جو ابھی اپنے عنفوانِ شباب میں ہیں اور بڑی تیزی سے اس کے پتوں اور شاخوں کو اپنے مخصوص آلہ کے ذریعے انہیں کاٹتا ہے ' اُن کو سیدھا کرتا ہے تو ایک سادہ انسان یا ایک بچہ یہی کہے گا کہ یہ شخص ایک سرسبز اور تازہ ٹہنی پر ظلم کر رہا ہے وہ اس زاویہ سے نہیں دیکھتا کہ باغبان کا مقصد کیا ہے؟ یا ایک عمارت کے کسی کونے کی اصلاح کے لئے یا اس کی تعمیر نو کے لئے اگر ایک انجینئر اُس کو گرا دینے کا حکم دیتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ ایک کوتاہ نظر انسان یہ کہے کہ بھائی اس عمارت کو یا اس کونے کو گرانا اس پر ظلم ہے۔ اگر اس دنیا میں کچھ نامناسب یا ایسے حادثات رونما ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں انسان ظاہری طور پر نقصان اٹھاتا ہے تو یہ پوری کائنات کے مجموعی نظم کے اعتبار سے ایک مصلحت ہے۔ اگرچہ وہ بعض لحاظ سے اور کچھ جانوں کے ضائع ہونے کی وجہ سے ہم اُس کو بے عدالتی نہیں کہہ سکتے۔

ایک استاد اس کی مثال دیتے تھے کہ فرض کیجئے کہ آپ نے بڑی مشکل سے کھیت میں ہل چلایا اور آپ اپنی اُس محنت کے اعتبار سے پانی دیتے ہیں اور پانی دینے کے نتیجے میں وہ فصل دیتی ہے اسی کھیت کے اندر کچھ حشرات الارض بھی ہیں جنہوں نے وہاں پر اپنی آبادیاں بسائی ہوئی ہیں۔ زمین کے اندر وہ سوراخ بناتے ہیں اور سوراخ کے اندر

وہ اپنے مخصوص کمرے بناتے ہیں اُن کے اندر وہ انڈے دیتے ہیں اور اُن انڈوں سے اُن کے بچے نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کھیت کا زمیندار پانی دیتا ہے اور اس پانی کے نتیجے میں اُن کی ساری کالونی زیرِ آب آجاتی ہے اور اُن کے انڈے اور بچے پانی پر تیر رہے ہوتے ہیں اور اُن کی تعبیر کے مطابق وہ مزارع کے خلاف نعرے لگاتے ہیں۔ مزارع مردہ باد زمیندار مردہ باد۔ اب دیکھا جائے کہ یہ چیونٹیاں یا حشرات الارض جو اپنے انڈے یا اولاد کے نقصان سے مزارع کے خلاف مظاہرہ کریں یا بدگوئی کریں تو وہ کس حد تک حق بجانب ہیں۔ اب دیکھا یہ جاتا ہے کہ اُس پوری فصل کے کیا منافع ہیں اور اُس فصل کو اُن انڈوں کو یا اُن بچوں کو بچانے کی خاطر آپ پانی نہ دیں، خشک کر دیں اور اُس فصل کو قابلِ افادہ نہ بنائیں تو معاملہ ترجیحی بنیادوں پر ہوگا۔ آپ دیکھیں گے کہ اُن انڈوں کو بچانے میں زیادہ مصلحت ہے یا اُن انڈوں اور بچوں کو ضائع کر کے منوں یا ٹنوں کے حساب سے فصل اٹھانے میں زیادہ فائدہ ہے۔ اگر انسان کسی خدائی کام پر، چاہے وہ زلزلہ کی صورت میں ہو یا طوفان کی صورت میں، اُس پہ اعتراض کرنا ایسا ہے جیسے حشرات الارض اس مزارع پر اعتراض کریں کہ تم نے اس فصل کو یا کھیت کو پانی دے کر ہمارے بچوں اور انڈوں کو کیوں برباد کر دیا یا ہمارے مکان کو تو نے کیوں منہدم کر دیا۔

تو غرض یہ تھی کہ انسان ایک زاویے سے دیکھتا ہے اور خالقِ کائنات جو کام بھی انجام دیتا ہے وہ ایک انسان کے محدود مفادات کے زاویے سے نہیں بلکہ وہ کُل عالم کے نظام اور اُس کے اِدارے کی نگاہ سے اپنے کام انجام دیتا ہے۔ اور دوسرا سوال جو عدلِ الٰہی کے سلسلے میں بعض روشن فکر حضرات اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جیسا کہ آپ نے ابھی درس کی تمہید میں کیا ہے کہ بعض کام ذاتی طور پر حسن ہوتے ہیں اور بعض کام ذاتی طور پر قبیح ہوتے ہیں اور ایک دوسرے اعتبار سے خدا کی کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں۔ نہ خدا کی کوئی پارٹی ہے کہ کوئی اس کی پارٹی کا بندہ ہوگا اس کو ثواب دے اور جو اس کی پارٹی کا بندہ نہیں ہوگا اس کو ثواب سے محروم کر دے گا۔ اس دنیا میں افعال دو قسم کے ہیں یا

ذاتی طور پر اچھے ہیں یا ذاتی طور پر بُرے ہیں اگر ایک کام ذاتی طور پر اچھا ہے تو عدلِ الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص بھی اُس اچھے کام کو انجام دے خُدا اس کی اس کو جزا دے، اس کا ثواب دے، اس کو جنت میں جگہ دے اور جو شخص بھی کسی بُرے کام کو انجام دے اُس کا تعلق خواہ جس مذہب سے ہو خدا کا قائل ہو یا نہ ہو، رسول کا قائل ہو یا نہ ہو، کسی خاص مکتب و فرقے کا پابند ہو یا نہ ہو۔ خدا کو چاہیئے اُسے سزا دے دے۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن بندوں سے کارِ خیر سرزد ہوتے ہیں مثلاً وہی فرد اوّل کہ جس نے بجلی کو ایجاد کیا ہے، جس نے ہوائی جہاز کو ایجاد کیا ہے یا وہ ذرائع و وسائل کہ جن سے انسانیت آج مستفید ہو رہی ہے اُن کو اجر کیوں نہیں ملنا چاہیئے؟ اس لئے کہ آپ کا کہنا یہ ہے کہ ہر کام میں ذاتی حُسن و قبح پایا جاتا ہے جو بھی اچھے کام کو انجام دے اُس کو اجر الٰہی کا مستحق ہونا چاہیئے اور جو بھی غلط کام کرے اُس کو عتاب الٰہی کا مستحق ہونا چاہیئے لیکن آپ کی یہ شرط کہ خدا کا بھی قائل ہو۔ نبیؐ کی نبوت کا بھی قائل ہو، امامت کا بھی قائل ہو، معاد کا بھی قائل ہو۔ تمام کام انجام دو گے تب تجھے اچھے کام کا اجر ملے گا۔ یہ پارٹی بازی نہیں تو اور کیا ہے؟ بھائی سوال اٹھتا ہے نا؟ ہاں!

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال ذہن میں اس لئے اٹھتا ہے کہ ہم اس الٰہی نظام کو مادی نظام سے ہم موازنہ کرتے ہیں۔ مادی نظام میں یہ ہوتا ہے کہ اس ملک کا سربراہ آپ سے ٹیکس یا مالیہ کا تقاضا کرتا ہے یا اس ملک کا حاکم چاہتا ہے کہ سال میں اتنا مال تم پر واجب ہے جسے خزانے میں جمع کراؤ۔ بس سرکار کا مقصد یہ ہے کہ یہ کسی بھی طریقے سے جمع ہو جائے۔ آپ خواہ بادلِ نخواستہ یا خود اپنی رضامندی سے دیں۔ اُس سے اُس کو کوئی غرض نہیں ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی طرف سے تخصیص شدہ رقم سرکاری خزانے میں جمع ہو جائے۔ اندر سے آپ اُس کو لاکھ گالیاں دیں۔ اُس کی رپورٹ انٹیلی جنس کے ذریعے اس تک پہنچ جائے۔ اُس کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ سرکار کا مقصد فقط یہ ہے کہ اتنی مالیت سرکار کے خزانے میں جمع ہو جائے۔ ایک سرباز یا فوجی جو کسی حکومت کا ملازم ہے، اس کا نوکر ہے اُس کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے اُس ملک کی سرحدوں کی حفاظت ہو جائے۔ وہ بادلِ نخواستہ والا

جائے یا برضا و رغبت ملک کا دفاع کرے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ وہ دشمن سے ملک کا دفاع کرے سرکار کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ یہ نظامِ مادی کے تقاضے ہیں اور یہ ان کی خصوصیات ہیں۔

لیکن اس کے برعکس نظام الٰہی جس میں دوزخ، جنت کا تصور ہے اُس کا نظام اِس سے مختلف ہے اس لئے کہ اس دنیا کے مادی نظام میں کسی چیز کے اچھے اور بُرے ہونے کا ایک پہلو ہے اور وہ اُس عمل کا ظاہری پہلو ہے کہ یہ عمل کتنا مفید ہے۔ اس سے کتنے لوگ اس دنیا میں مستفید ہوتے ہیں اور ظاہری اثرات کے اعتبار سے کتنا وسیع ہے۔ پس اس کو اس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن الٰہی نظام میں کسی بھی کام کو شرف یا مقام دو اعتبار سے دیکھنے کے بعد ملتا ہے۔ ایک اُس کے وہ ظاہری اثرات اور دوسرے یہ کہ اس انجام دینے والے نے کس عامل کی بنیاد پر کس نیت سے اس عمل کو انجام دیا ہے۔ اسی لئے آیتِ کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے "وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ"۔ لوگوں کو عبادت کا حکم دیا گیا ہے خدا کی پرستش کا حکم دیا گیا ہے لیکن ایسی عبادت نہیں کہ جس کے کرنے سے اندر سے وہ راضی نہ ہوں۔ اللہ سے وہ العیاذ باللہ اللہ کو بُرا بھلا کہیں اور ظاہری طور پر وہ اعمال انجام دے دیں۔ یہاں پر شرط ہے "مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ"۔ خلوصِ دل سے وہ عمل کو انجام دیں یعنی اِس عمل کے کرنے کا مقصد فقط رضائے الٰہی ہو کوئی اور نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں یا علمی الفاظ میں کسی بھی عمل کے مقبول ہونے کے لئے دو چیزیں مدِنظر رکھی جاتی ہیں۔ ایک اس عمل کا حُسنِ فعلی ہے یعنی وہ ذاتی طور پر ایک اچھا عمل ہو اُس کے دنیا میں اچھے اثرات ہوں اور اُس کے علاوہ اُس کا حُسنِ فاعلی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس عمل کے انجام کا مقصد کیا ہے! اس عمل کا پسِ منظر کیا ہے! بلکہ اسلامی احادیث میں ظاہری عمل کو جسم کہا گیا ہے اور اس عمل کے پسِ منظر کو مومن کی یا نیت کو روح کہا گیا ہے۔ اگر نیت میں خلوص نہیں تو عمل کے لحاظ سے اُس کے کتنے ہی اثرات کیوں نہ ہوں ایک مُردہ لاش ہے جس کے اندر کوئی روح موجود نہیں ہے اس لئے کفار کے اعمال کو "هَبَآءً مَّنْثُوْرًا" سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی خس و خاشاک جو اڑتے پھرتے ہیں جن کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اسی لئے منکرینِ خدا و منکرینِ رسالت کو اُن کے اچھے عمل پر بھی جنت کا مستوجب قرار نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ نظام

مادی کے کچھ اور معیار ہیں اور نظامِ الٰہی میں کسی عمل کے قبول ہونے کے کچھ اور معیار ہیں۔

ایک عجیب چونکا دینے والی حدیث ہے کہ قیامت کے دن ایک ایسا شخص عدالتِ الٰہی میں لایا جائے گا جس کو اپنی زندگی میں یعنی چوبیس گھنٹے کا خدا کی طرف سے ایک انار ملا کرتا تھا اور وہ اسی انار پر اکتفا کرتا تھا اور خدا کی عبادت کرتا تھا۔ کوئی واجب اس نے ترک نہیں کیا زندگی میں کسی حرام کا ارتکاب نہیں کیا، کسی مستحب کو ترک نہیں کیا، کسی مکروہ کا ارتکاب نہیں کیا، اور اس نے خدا کی نعمتوں میں سے صرف ایک انار پر اکتفا کیا ہے ایسے شخص کے بارے میں خالق فرمائے گا کہ اے میرے بندے میں نے تجھے تفضّلاً یعنی اپنی مہربانی سے جنت میں جگہ دے دی ہے۔ تفضل اور استحقاق چونکہ کی علم کلام اور فقہا کے ہاں دو اصطلاحات ہیں کہ تفضل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ کو ایک عہدہ یا منصب دیا جاتا ہے جس کے آپ مستحق نہیں ہیں یعنی وہ میرٹ کے مطابق آپ کا حق نہیں بنتا لیکن عزیز اور سپیشل آپ پر مہربانی کی جاتی ہے اور آپ کو وہ مقام دیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں کو تفضلاً یہ مقام ملا ہے یا عہدہ ملا ہے اور استحقاق کا مطلب یہ ہے کہ اس عہدہ کی جو شرائط خصوصیات تھیں وہ بدرجہ اتم آپ میں موجود ہیں آپ کا حق بنتا ہے کہ وہ عہدہ آپ کو ملے، وہ سیٹ آپ کو ہی مل جائے ان مثالوں سے اِن اصطلاحات کی تشریح ہو جاتی ہے۔

اب خالق ایسے شخص کے بارے میں فرمائے گا کہ اے شخص! تجھے تفضلاً جنت میں جگہ دیتا ہوں تو یہ شخص سراپا احتجاج بن جائے گا کہ اے خالق! میں نے تیری نعمتوں میں سے صرف ایک انار پہ گزارہ کیا کسی عبادت کو ترک نہیں کیا کوئی حرام کام انجام نہیں دیا، سب مستحبات انجام دئیے، مکروہ تک بھی انجام نہیں دیا تو آج یہ جنت میرا حق کیوں نہیں ہے؟ تو خالق فرمائے گا کہ اے ملائکہ ہمارا وہ مخصوص آلہ لاؤ کہ جس میں ہم اپنے بندوں کے اعمال کو تولتے ہیں یا جانچتے ہیں اُس سے اعمال کو تولا جائے تو لنے کے بعد نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس شخص کے زندگی بھر کے اعمال کا اس انار کے ایک دانے کے برابر بھی وزن نہ ہوگا۔ اور خالق اس سے فرمائے گا کہ اب بتاؤ کہ تجھے تفضلاً جنت میں بھیجیں یا استحقاق کی بنیاد پہ؟ یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ یہ انسان جو کہ خدا کا بھی قائل ہے۔ رسولؐ کا بھی قائل ہے اور آخرت پر بھی ایمان رکھتا ہے۔ خدا کی زیادہ سے زیادہ نعمتوں سے مستفید بھی نہیں ہو

اس کے باوجود اس کی زندگی کے اعمال کو ایک انار کے دانہ کے برابر سمجھا جا رہا ہے اور استحقاق کی بنیاد پر نہیں سفارش پر اُس کو جنت میں جگہ مل رہی ہے۔ کیا معیار ہے خدا کے ہاں اعمال کے مقبول ہونے کا؟ خالق صرف ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ اس عمل کے پس منظر میں کیا تھا کس مقصد سے یہ انجام دیتا تھا۔ اُس کی عبادت میں کوئی کھوٹ تو نہیں ہے، ریا کا کوئی شائبہ تو نہیں ہے حتیٰ کہ کپڑے جو اس نے پہنے تھے اُس میں کسی قسم کا ناجائز مال تو نہیں ہے۔ ایسی خونخوار وادی ہے کہ جس میں سے دامن بچا کے چلنا جو ہے کارے دارد۔ غرض عدل الٰہی کے حوالے سے میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ٹھیک ہے کہ ہم افعال میں حُسن و قُبح ذاتی کے قائل ہیں۔ بعض کاموں میں ذاتی حسن و قبح پایا جاتا ہے اور خدا پہلے حَسن انجام دیتا ہے اور وہ فعل قبیح کبھی انجام نہیں دیتا جہاں افعال کے حُسنِ فعلی یعنی عمل کے ظاہری اثرات کو خالق دیکھتا ہے وہاں حُسنِ فاعلی یعنی اس بندے کی نیت کو بھی دیکھتا ہے جیسے کہ فرمایا "وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ" لہٰذا ہم اس نظامِ الٰہی کو اس نظام مادی پر قیاس نہیں کر سکتے۔

اور وہ داستان جس کا ہماری عملی زندگی میں کافی دخل ہے مختلف مناسبتوں سے میں نے برادران کو یہ داستان پہلے بھی سنائی ہے کہ ہارون رشید کی بیوی کا نام زبیدہ تھا اُس نے خواب میں دیکھا کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو وہ فائدہ پہنچا رہی ہے۔ صبح نیند سے بیدار ہوئی تو اُس نے اپنی ایک کنیز کو اُس وقت کے تعبیرِ رویا کے ماہر، خوابوں کے ماہر کے پاس بھیجا کہ اُس سے جا کر کہو کہ مجھے یہ خواب نظر آیا ہے (یعنی میرا زبیدہ کا نام نہیں لینا) اس کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے؟ تو اُس نے کہا کہ بھائی اس خواب کی تعبیر اتنی غیر معمولی ہے کہ تم جیسی کنیزوں کو ایسے خواب نہیں آ سکتے۔ لازماً زبیدہ نے یہ خواب دیکھا ہوگا جس نے تمہیں تعبیر پوچھنے کے لئے بھیجا ہے اور اُس نے بتایا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ زبیدہ اپنی زندگی میں ایک ایسی انسانی خدمت انجام دے گی جس سے رہتی دنیا تک کی انسانیت مستفید ہوتی رہے گی۔

چنانچہ لکھتے ہیں کہ دوسرے سال یہ مکہ گئی اور مکہ جانے کے بعد مدینے اور طائف کے درمیان اُن دنوں پانی کی قلت تھی پانی نہیں ملتا تھا۔ زبیدہ نے ایک نہر کھدوائی اور اس پر ہزاروں دینار

کی لاگت آئی ۔ اسی نہر سے اُس وقت بھی مسلمان اس سے مستفید ہوتے تھے اور آج بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگ مستفید ہو رہے ہیں اور آئندہ آنے والے مسلمان بھی اس زبیدہ کی کھدوائی ہوئی نہر سے استفادہ کرتے رہیں گے لیکن زبیدہ کے مرنے کے بعد کسی نے زبیدہ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تم نے جو انسانیت کی اتنی بڑی خدمت کی اس کا تمہیں کیا صلہ ملا؟ کیا اجر ملا ہے؟ اُس نے یہ جواب دیا کہ اس کارِ عظیم کا جو ثواب تھا وہ اُن لوگوں کو ملا جو اُس مال کے حقیقی مالک تھے ۔ اب آپ دیکھیں کہ وہ مال کہاں سے لائی تھی وہ مال اُس کو باپ سے وراثت میں ملا تھا یا ہارون الرشید کو باپ سے وراثت میں ملا تھا ۔ وہ مسلمانوں کا خون تھا جو انہوں نے جابرانہ قبضہ کے ذریعے حاصل کیا تھا فرق صرف اتنا تھا کہ ہو سکتا ہے اُس کی دوسری زوجات عیاشی پر لگاتی ہونگی اور اس نے دنیاوی شہرت یا مقصد کچھ بھی ہو جا کر ایک نہر کھدوائی ۔ آج اس کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ دنیا میں اُسے شہرت ملی اور جو اس کا اجر و ثواب تھا وہ بیت المال کے صحیح وارثوں کو مل گیا ۔

نتیجۃً عرض ہے کہ اسی نگاہ سے اور اس آلے میں خالقِ انسان کے اعمال کو تولتا ہے ۔ یہ نہ دیکھیں کہ بجلی جس نے ایجاد کی اُس کا مقصد کچھ بھی ہو بذاتِ خود ایک اچھا کام ہے لہٰذا اُسے جنت میں جگہ ملنی چاہیے یا جس نے طیارہ بنایا ہے اُس نے انسانیت کو کتنے مشقات و زحمتوں سے بچایا ہے ۔ وہ خدا کا منکر ہے خدا کا کیا بگڑتا ہے کسی کے انکار سے ۔ لہٰذا اس کو جنت میں مکان ملنا چاہیے ۔ نہیں! میرے محترم ایسا نہیں! بلکہ خدا جہاں انسان کے حُسنِ فعلی کو دیکھتا ہے وہاں اُس عمل کے حُسنِ فاعلی کو بھی دیکھتا ہے کہ اس عمل کا پس منظر کیا ہے!

خداوند ہمیں کارہائے خیر کی توفیق اور خلوصِ دل سے محض اُس کی رضا کے لئے عمل انجام دینے کی توفیق عنایت فرمائے ۔ آمین بجاہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ الاطہار۔

٭ ہفتہ وار درس بروز [illegible] مورخہ ۶ فروری ۱۹۸۹ء بوقت چار بجے